پڑھائیں۔ مغلیہ دربار پر سات کتابیں تحریر کیں۔ تیس سال سے کچھ اُوپر وارث شاہ کی ہیر کا صحیح متن تیار کرنے میں لگائے۔

پہلے باب میں مصنف نے اپنے خاندان کی تاریخ بیان کی ہے کہ انہوں نے مغل بادشاہ جہانگیر اور اُس کے خاندان کے افراد کا علاج کیا چونکہ علاج کامیاب رہا اس لیے انعام میں ان کے خاندان کے بزرگوں کو زمینیں ملیں۔ پہلے خاندان کے افراد کا ذریعہ معاش حکمت تھا۔ بعد میں مصنف کے دادا ڈاکٹر غلام نبی انگریزوں کی مرہون منت سے ڈاکٹر بنے گو اُن کی تعلیم کا خرچہ کے کے عزیز کے پر دادا نے اپنے شوق و رغبت سے اٹھایا اور اِس بات پر شاد کہ بیٹا ڈاکٹری پڑھ رہا ہے۔

ڈاکٹری کر لینے کے بعد کچھ عرصہ بٹالہ میں ملازمت کی پھر پشاور چلے گئے وہاں کچھ دن امیر افغانستان کی خدمت کی۔ افغانستان کے شاہی خاندان کی تقریباً ساڑھے سات برس، کابل میں علاج معالجہ کی خدمت انجام دی۔ پھر بہاولپور میں دس سال نواب صادق محمد خان عباسی چہارم (۱۸۶۶ء-۱۸۹۹ء) کے ساتھ منسلک رہے۔

ڈاکٹر غلام نبی کے دو بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں میں عبدالعزیز اور عبدالحمید تھے۔ شیخ عبدالعزیز نے زندگی میں اعلیٰ اور بہترین یونیورسٹیوں سے استفادہ کیا تھا اور علم کے اعلیٰ مدارج سے مستفید ہوئے۔

عبدالعزیز ستمبر۱۹۰۴ء میں انگلستان پہنچ گئے تھے اور مغربی لندن میں (Shepherd's Bush Road) پر مکان نمبر ۶۹ میں دوسری منزل پر دو کمرے کرائے پر لئے۔ کچھ عرصے بعد عبدالقادر وہاں وارد ہوئے اور عبدالعزیز کے ساتھ ہی اُس عمارت میں رہائش پذیر ہو گئے۔ ستمبر ۱۹۰۵ء میں علامہ اقبال وہاں تشریف لے گئے۔ عبدالقادر سے اقبال صاحب کی سلام دعا تھی۔ عبدالعزیز کے کمرے میں آئے اور کہنے لگے میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ رہوں گا۔ میرے لیے جگہ بناؤ اورعبدالعزیز کی مطالعہ گاہ پر قابض ہو گئے۔ اب دو دوستوں سے تین ہو گئے۔ تینوں قانون پڑھ رہے تھے۔ تینوں پنجابی بولتے تھے۔ تینوں لاہور میں پڑھ چکے تھے۔ تینوں وطن سے دور تھے لہٰذا کئی شوق مشترک تھے۔ اقبال کی حیات میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ بات یقیناً اہمیت کی حامل ہو گی۔مصنف نے علامہ اقبال کے چند گوشہ نشیں پہلوؤں پر بھی اپنی توجہ مرکوز کی ہے۔

اِس کتاب میں مصنف نے ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہندوستان کے نتیجے میں تقسیم پنجاب کا ذکر تفصیل

سے کیا ہے۔یعنی کس طرح پنجاب کی تقسیم سے اُن کے خاندان کو مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ بٹالہ سے لاہور منتقلی نے اُن کے والد کی معاشی اور معاشرتی زندگی پر کیا اثر ڈالا۔ تاریخ کے اِس پہلو سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لیے یہ باب اہمیت کا حامل ہے کہ ایک عام آدمی تقسیم سے کس طرح متاثر ہو رہا تھا۔

خورشید کمال عزیز نے اپنے والد کی زندگی کا بڑی خوبصورتی سے احاطہ کیا ہے۔ وہ اپنے والد کی علمی قابلیت کے معترف تھے۔ مگر وہ سمجھتے تھے کہ صرف علمی قابلیت ہی سب کچھ نہیں۔ زندگی میں بندھی ہوئی آمدنی معاشی خوشحالی کی ضامن ہے۔ مصنف اپنے والد کے حوالے سے واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پنجاب یونیورسٹی میں جب ایک نوجوان پروفیسر نے ''مغلیہ دور کا پرچہ'' پڑھانے کے لیے اپنے داؤ پیچ استعمال کیے تو عبدالعزیز کسی احتجاج کے بغیر اپنا استعفیٰ دے کر گھر آ گئے۔

گو اِن کو نئی نوکری مِل گئی مگر آدمی جس ادارے میں ایک عرصے سے ملازم ہو اُس کی خواہش یہ ہی ہوتی ہے کہ عزت و وقار کے ساتھ اپنے فرائض منصبی سے سبکدوش ہو۔عبدالعزیز ۱۹۷۰ء میں ۱۵-۱۶ دسمبر کی شب اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی عمر ۸۶ برس تھی۔ آپ میانی صاحب کے قبرستان میں بہاولپور روڈ سے ذرا ہٹ کے دفنا دیئے گئے۔

یہ کتاب تقریباً اٹھارہ چھوٹے بڑے ابواب پر مشتمل ہے۔ مصنف نے کتاب کے شروع میں ان کی کوئی فہرست نہیں دی۔